جاوید احمد غامدی

ضبط ولادت

بچے خدا کے حکم سے پیدا ہوتے ہیں، لیکن اُن کی پیدایش کا معاملہ یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس ماں باپ کے لیے اور جتنی تعداد میں چاہتا ہے، اُنھیں براہ راست آسمان سے نازل کر دیتا ہے۔ اُن کی پیدایش انسان کی وساطت سے اور اُس کے ارادے، فیصلے اور اقدام کے نتیجے میں ہوتی ہے۔ انسان کے بارے میں یہ بات محتاج وضاحت نہیں ہے کہ اُس کے خالق نے اُسے عقل و شعور سے نوازا اور ارادہ و اختیار عطا فرمایا ہے۔ یہ دونوں چیزیں تقاضا کرتی ہیں کہ اپنے ہر فیصلے سے پہلے وہ اُس کے نتائج و عواقب کا جائزہ لے، علم و عقل کی روشنی میں معاملے کو سمجھے اور اِس کے بعد اقدام کرے۔ اِسے باغبان کی مثال سے سمجھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: 'ءَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ*' (یہ کھیتی تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں)؟ مدعا یہ ہے کہ باغ اور کھیتیاں تم نہیں، بلکہ خدا اگاتا ہے۔ لیکن اِس کے معنی کیا یہ ہیں کہ باغبان کا کام صرف بیج بکھیر دینا یا پنیری جما دینا ہے؟ ہر شخص مانے گا کہ ہرگز نہیں، اُس کی ذمہ داری ہے کہ باغ لگانے سے پہلے دیکھے کہ جو درخت وہ بونے جا رہا ہے، اُن کی کاشت، نگہداشت اور اُن میں پھل آنے کے بعد اُسے درختوں سے اتارنے اور منڈی تک پہنچانے کے اخراجات و لوازم کا تحمل کیا اُس کے لیے ممکن ہے؟ اُس نے زمین تیار کر لی ہے؟ درخت لگاتے وقت اُن کی ضرورت کے لحاظ سے زمین میں فاصلہ چھوڑ دیا ہے؟ اُن کے پھلوں کی منڈی میں مانگ بھی ہے یا نہیں، اِس کے لیے ضروری معلومات فراہم کر لی ہیں؟ یہ سب چیزیں دیکھنے کے بعد فیصلہ کرے کہ اُسے کیا بونا ہے اور کب بونا ہے اور کچھ بونا بھی ہے یا نہیں؟ ضبط ولادت کے معاملے میں لوگ جائز اور ناجائز کی بحث کرتے ہیں، دراں حالیکہ اِن سب چیزوں کو دیکھنا جس طرح باغبان کے لیے ضروری ہے، اِسی طرح بچے کے والدین کے لیے بھی ضروری ہے۔ اِنھیں باغبان نہیں دیکھے گا تو وہ بھی اِس کے

* الواقعہ ۵۶: ۶۴۔

نتائج بھگتے گا اور والدین نہیں دیکھیں گے تو وہ بھی بھگتیں گے۔

ہمارے معاشرے میں اِس کی مثالیں جگہ جگہ دیکھ لی جا سکتی ہیں۔ چنانچہ ضروری ہے کہ بچے کی تمہید باندھنے سے پہلے والدین اِس بات کا جائزہ لیں کہ ماں بچے کا تحمل کر سکتی ہے؟ اُس کی صحت اِس قابل ہے کہ پیدایش اور پرورش کا بوجھ اُٹھا سکے؟ اِس سے پہلے اگر کوئی بچہ ہے تو اُس سے اِس حد تک فارغ ہو چکی ہے کہ دوسرے بچے کی نگہداشت کر سکے؟ اپنے زمانے اور حالات کے لحاظ سے ماں باپ کیا بچے کی نشوونما اور تعلیم و تربیت کے لیے وقت، فرصت اور ضروری وسائل رکھتے ہیں؟ اِن سوالوں کا جواب اگر نفی میں ہے تو ضبطِ نفس سے کام لینا چاہیے یا منعِ حمل کا کوئی طریقہ اختیار کر لینا چاہیے، مگر بچے کی تمہید ہرگز نہیں باندھنی چاہیے۔

تاہم اِس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہمارا یہ فیصلہ خدا کے کسی فیصلے کو روک سکتا ہے۔ اُس کی حکمت کا تقاضا اگر یہ ہے کہ بچے کو دنیا میں آنا ہے تو وہ آ کر رہے گا۔ ہماری یہ تدبیریں اُس کے قانون کی پیروی کے لیے ہیں، اُس کے کسی فیصلے کو روکنے کے لیے نہیں ہیں۔ بیماری خدا کے اذن سے آتی ہے، مگر حفظانِ صحت کے اصولوں کی خلاف ورزی کی جائے تو عام قانون یہی ہے کہ بیماری آئے گی۔ شفا خدا کے ہاتھ میں ہے، مگر علاج نہ کیا جائے تو عام قانون یہی ہے کہ بیماری بڑھے گی۔ رزق خدا ہی دیتا ہے، مگر عام قانون یہی ہے کہ اُس کے لیے جدوجہد کی جائے تو ملتا ہے۔ یہ دنیا عالمِ اسباب ہے اور انسان کو یہ صلاحیت دی گئی ہے کہ وہ اپنی عقل کے مطابق اِن اسباب کو استعمال کرے۔ خدا کی تقدیر یہاں بہت سے معاملات میں ہمارے ارادوں، فیصلوں اور اقدامات سے متعلق ہوتی ہے۔ سیدنا عمر نے طاعون کی جگہ سے بھاگنے کی ہدایت کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم خدا کی تقدیر سے خدا کی تقدیر کی طرف جا رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب آپ سے منعِ حمل کی ایک تدبیر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے اِسی حقیقت کی طرف توجہ دلائی تھی۔ ابوسعید خدری کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

ما من کل الماء یکون الولد، و اذا اراد اللّٰہ خلق شیٔ لم یمنعه شیٔ. (مسلم، رقم ۱۴۳۸)	''ہر نطفے سے اولاد نہیں ہوتی، مگر اللہ جب کسی چیز کو پیدا کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اُسے کوئی روک نہیں سکتا۔''

البیان
جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورة الانعام

(۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ، ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ. ﴿۱﴾ هُوَالَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰٓی

شکر اللہ ہی کے لیے ہے[۱] جس نے زمین و آسمان بنائے، روشنی اور تاریکیاں پیدا کیں۔ پھر تعجب ہے کہ یہ منکرین اپنے پروردگار کے ہم سر ٹھیراتے ہیں[۲]! وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر

۱؎ اصل میں لفظ 'اَلْحَمْدُ' استعمال ہوا ہے۔ عربی زبان میں یہ کسی کی خوبیوں اور کمالات کے اعتراف کے لیے بولا جاتا ہے۔ پھر اِن خوبیوں اور کمالات کا فیض اگر حمد کرنے والے کو بھی پہنچ رہا ہو تو اِس میں شکر کا مفہوم آپ سے آپ شامل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سورۂ اعراف (۷) آیت ۴۳، سورۂ یونس (۱۰) آیت ۱۰ اور سورۂ ابراہیم (۱۴) آیت ۳۹ میں اِس کے نظائر سے واضح ہوتا ہے کہ 'اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ' کی ترکیب میں یہ بالعموم اُسی مفہوم کو ادا کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے جسے ہم لفظ شکر سے ادا کرتے ہیں۔

۲؎ یہ مشرکین عرب کے مسلمہ سے استدلال فرمایا ہے کہ جب وہ زمین و آسمان اور نور و ظلمت سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے ہیں تو پھر کیسی عجیب بات ہے کہ اُسی کے شریک ٹھیرانے کی جسارت کرتے ہیں۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''...شرک پر اظہار تعجب کا ایک پہلو تو یہی ہے کہ جب ساری چیزوں کا خالق خدا ہی ہے تو پھر شرک کی گنجایش کہاں سے نکلی؟ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اِس کائنات کی چیزوں میں بظاہر جو تضاد نظر آتا ہے، مثلاً زمین اور آسمان،

اَجَلًا وَاَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ﴿۲﴾ وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ
وَفِی الْاَرْضِ، یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ، وَ یَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ﴿۳﴾ وَمَا تَاْتِیْهِمْ
مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ﴿۴﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا

(تمھارے لیے) ایک مدت ٹھیرا دی اور ایک دوسری مدت بھی ہے جو اُس کے ہاں مقرر ہے[۳]۔ تعجب ہے کہ اِس کے بعد بھی کج بحثیاں کرتے ہو! وہی اللہ آسمانوں میں بھی ہے اور زمین میں بھی۔ وہ تمھارے کھلے اور چھپے سے واقف ہے اور جو کمائی تم کر رہے ہو، اُسے بھی جانتا ہے[۴]۔ لوگوں کا حال یہ ہے کہ اُن کے پاس اُن کے پروردگار کی نشانیوں میں سے جو نشانی بھی آتی ہے، وہ اُس سے منہ موڑ

روشنی اور تاریکی، سردی اور گرمی، تو اِس تضاد کے اندر اِس کائنات کے مجموعی مقصد کے لیے ایسی حیرت انگیز سازگاری بھی ہے کہ کوئی عاقل تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اِن میں سے ہر ایک کے خالق و مالک الگ الگ ہیں۔ بلکہ ہر صاحب نظر یہ ماننے پر مجبور ہے کہ پوری کائنات ایک ہی کارفرما کے ارادے اور مشیت کے تحت حرکت کر رہی ہے۔'' (تدبر قرآن ۳/ ۱۷)

۳؎ مطلب یہ ہے کہ وہی خدا ہے جس نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا تم انکار نہیں کر سکتے۔ پھر یہ بھی جانتے ہو کہ ہر ایک کے لیے جینے کی ایک مدت مقرر کر دی گئی ہے۔ اِن حقائق کو سمجھتے ہو تو اِس بات میں شک کی گنجایش کہاں سے پیدا ہو جاتی ہے کہ جس خدا کو پہلی مرتبہ تمھیں مٹی سے پیدا کر دینے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی، وہ مرنے کے بعد اِسی مٹی سے تمھیں دوبارہ اٹھا کھڑا کرے گا؟ تم میں سے ہر ایک کے لیے موت ہے تو اِس بعث و نشر کے لیے بھی ایک دوسری مدت ہے جو اُسی نے مقرر کر رکھی ہے۔

۴؎ یعنی تمھارا یہ رویہ اگر اِس بھروسے پر ہے کہ زمین کا نظم و نسق کچھ دوسرے خداؤں کے سپرد ہے، تم اُن کے پرستار ہو، اِس لیے وہ تمھیں بخشوا لیں گے تو یہ غلط فہمی دور کر لو۔ زمین و آسمان دونوں کا خدا ایک ہی ہے اور دونوں میں اُسی کا حکم چل رہا ہے۔ تمھارے کھلے اور چھپے، سب احوال بھی اُس کے علم میں ہیں اور تمھارے اعمال سے بھی وہ پوری طرح واقف ہے۔ کسی میں یارا نہیں کہ اُس کے علم میں کوئی اضافہ کر سکے۔ متنبہ ہو جاؤ، اُس کی بارگاہ میں کسی شفاعت باطل کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔

جَآءَ هُمْ، فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُ وْنَ ﴿۵﴾ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ
اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ، مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ، وَاَرْسَلْنَا
السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ، فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ
وَاَنْشَاْنَا مِنْ م بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۶﴾

لیتے ہیں۔سو اُنھوں نے (اِس وقت بھی) حق کو جھٹلا دیا ہے[۵]، جب کہ وہ اُن کے پاس آ گیا ہے۔ اِس لیے عنقریب اُس چیز کی خبریں اُن کے پاس آ جائیں گی جس کا وہ مذاق اڑاتے رہے ہیں[۶]۔ کیا اُنھوں نے نہیں دیکھا کہ اُن سے پہلے کتنی قومیں ہم نے ہلاک کر دیں جنھیں زمین پر ہم نے وہ اقتدار بخشا تھا جو تمھیں نہیں بخشا ہے[۷]، اُن پر ہم نے خوب مینہ برسائے اور اُن کے نیچے نہریں بہا دیں، (مگر وہ جھٹلانے پر مصر رہے) تو اُن کے گناہوں کی پاداش میں بالآخر ہم نے اُنھیں ہلاک کر دیا اور اُن کے بعد اُن کی جگہ دوسری قوموں کو اٹھا کھڑا کیا۔۱-۶

---

۵ یہاں 'حق' سے قرآن مجید مراد ہے۔

۶ یعنی خدا کا عذاب جس کی وعید تمام رسولوں نے اپنی قوموں کو سنائی ہے۔

۷ اوپر جو دعویٰ کیا گیا ہے، یہ اُس پر تاریخ کی شہادت پیش کر دی ہے۔ سورۂ اعراف میں اِس کی تفصیلات آئیں گی جو اِس سورہ کے مثنیٰ کی حیثیت رکھتی ہے۔

[باقی]

محمد رفیع مفتی

اخلاقیات

(۵)

انبیا کی محبت میں غلو کی نفی

(۲۸) عَنُ ابُنِ عَبَّاسٍ سَمِعَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنُهُ یَقُولُ عَلَی الُمِنُبَرِ سَمِعُتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیُهِ وَسَلَّمَ یَقُولُ: لَا تُطُرُونِی کَمَا أَطُرَتُ النَّصَارَی ابُنَ مَرُیَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبُدُهُ فَقُولُوا عَبُدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ۔ (بخاری، رقم ۳۴۴۵)

''ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ انھوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: مجھے میرے مرتبے سے نہ بڑھاؤ جیسے کہ نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو ان کے مرتبے سے زیادہ بڑھا دیا ہے۔ میں تو بس اللہ کا بندہ ہوں، چنانچہ مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہا کرو۔''

توضیح:

انبیا اور صالحین کے ساتھ انسانوں کی حد سے بڑھی ہوئی محبت انھیں شرک کی وادی میں دھکیل دیتی ہے، چنانچہ آپ نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص خود آپ کو آپ کے اصل مقام و مرتبہ سے بلند خیال کرے۔

مشرکانہ کلمات کی نفی

(۲۹) عَنِ ابُنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیُهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا یَقُولُ مَا

شَاءَ اللّٰهُ وَشِئۡتَ فَقَالَ: بَلۡ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحۡدَهُ۔ (احمد، رقم ١٩٦٥)

''ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو 'ما شاء الله و شئت' (جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں) کہتے ہوئے سنا تو آپ نے فرمایا: بلکہ جو اللہ اکیلا چاہے۔''

توضیح:

وہ باتیں جو صرف خدا کے ساتھ خاص ہیں، آپ نے ان کے حوالے سے لوگوں کو متنبہ کیا کہ ان میں کسی اور کو شریک کرنا جائز نہیں۔ اس کائنات میں چونکہ صرف ایک ہی مشیت جاری وساری ہے، لہٰذا آپ نے اس میں کسی بھی دوسرے کو شریک کرنے سے منع فرمایا۔

مشرکانہ عمل کی ممانعت

(٣٠) عَائِشَةُ وَعَبۡدُ اللّٰهِ بۡنَ عَبَّاسٍ قَالَا لَمَّا نَزَلَ بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ طَفِقَ يَطۡرَحُ خَمِيصَةً لَهُ عَلَى وَجۡهِهِ فَإِذَا اغۡتَمَّ بِهَا كَشَفَهَا عَنۡ وَجۡهِهِ فَقَالَ وَهُوَ كَذَلِكَ: لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الۡيَهُودِ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنۡبِيَائِهِمۡ مَسَاجِدَ يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوا۔ (بخاری، رقم ٤٣٦)

''عائشہ اور عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو آپ اپنی چادر کو بار بار چہرے پر ڈالتے پھر جب کچھ افاقہ ہوتا تو اسے اپنے چہرے سے ہٹا دیتے، آپ نے اضطراب کی اسی حالت میں فرمایا: یہود و نصاریٰ پر خدا کی پھٹکار ہو کہ انھوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا۔ آپ (یہ فرما کر اپنی امت کو) ان کاموں سے بچنے کو کہہ رہے تھے جو انھوں نے کیے تھے''۔

(٣١) عَنۡ أَبِي مَرۡثَدٍ الۡغَنَوِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ: لَا تَجۡلِسُوا عَلَى الۡقُبُورِ وَلَا تُصَلُّوا إِلَيۡهَا۔ (مسلم، رقم ٢٢٥٠)

''ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ قبروں پر بیٹھا کرو اور نہ ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرو۔''

توضیح:

قبروں پر بیٹھنا اس لیے منع فرمایا کہ یہ صاحب قبر کی توقیر کے خلاف ہے اور ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے اس لیے منع فرمایا کہ اس میں اُن کی عبادت کرنے سے مشابہت پائی جاتی ہے اور اس لیے بھی کہ پھر کہیں رفتہ رفتہ انھیں عبادت گاہیں نہ بنا لیا جائے، جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے کیا تھا۔ آپ نے اُن کے اسی کام کی وجہ سے ان پر لعنت کی اور اپنی امت کو متنبہ کیا کہ وہ ایسا ہرگز نہ کریں۔

والدین سے حسن سلوک کا حکم

(۳۲) عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِی قَالَ: أُمُّكَ، قَالَ: ثُمَّ مَنْ، قَالَ: ثُمَّ أُمُّكَ، قَالَ: ثُمَّ مَنْ، قَالَ: ثُمَّ أُمُّكَ، قَالَ: ثُمَّ مَنْ، قَالَ: ثُمَّ أَبُوكَ۔

(بخاری، رقم ۵۹۷۱)، (مسلم، رقم ۶۵۰۱)

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا اے اللہ کے رسول! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے۔ آپ نے فرمایا: تمھاری ماں، اس نے کہا پھر کون ہے آپ نے فرمایا: پھر تمھاری ماں، اس نے کہا پھر کون ہے آپ نے فرمایا: پھر تمھاری ماں، اس نے کہا پھر کون ہے آپ نے فرمایا: پھر تمھارا باپ۔''

(۳۳) قَالَ (عبدُاللهِ) سَأَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَیُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ قَالَ: الصَّلَاةُ عَلَى وَقْتِهَا قَالَ ثُمَّ أَیٌّ قَالَ: ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قَالَ ثُمَّ أَیٌّ قَالَ: الْجِهَادُ فِی سَبِيلِ اللَّهِ۔ (بخاری، رقم ۵۲۷) ، (مسلم، رقم ۲۵۲)

’’عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سا عمل سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ آپ نے فرمایا: وقت پر نماز پڑھنا ، پوچھا اس کے بعد، آپ نے فرمایا: والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، پھر پوچھا اس کے بعد، آپ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔‘‘

(٣٤) عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ عَنْ النَّبِیِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: رَغِمَ أَنْفُ ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُ ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُ قِيلَ مَنْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ: مَنْ أَدْرَكَ أَبَوَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ أَحَدَهُمَا أَوْ كِلَيْهِمَا فَلَمْ يَدْخُلْ الْجَنَّةَ۔ (مسلم، رقم ٦٥١٠)

’’ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُس شخص کے لیے ذلت ہے، اُس شخص کے لیے ذلت ہے، اُس شخص کے لیے ذلت ہے۔ لوگوں نے پوچھا: کس کے لیے، یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: جس کے ماں باپ یا اُن میں سے کوئی ایک اُس کے پاس بڑھاپے کو پہنچا اور وہ اِس کے باوجود (اُن کی خدمت کر کے) جنت میں داخل نہ ہو سکا۔

(٣٥) عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَقُولُ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَأْذَنَهُ فِی الْجِهَادِ فَقَالَ: أَحَیٌّ وَالِدَاكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ: فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ۔ (بخاری، رقم ٣٠٠٤)

’’عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے جہاد کی اجازت چاہی۔ آپ نے پوچھا: تمھارے والدین زندہ ہیں؟ عرض کیا: جی ہاں۔ فرمایا: پھر اُن کی خدمت میں رہو، یہی جہاد ہے۔‘‘

(٣٦) عَنْ أَبِی سَعِيدٍ الْخُدْرِیِّ أَنَّ رَجُلًا هَاجَرَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ الْيَمَنِ فَقَالَ: هَلْ لَكَ أَحَدٌ بِالْيَمَنِ قَالَ أَبَوَایَ قَالَ: أَذِنَا لَكَ قَالَ لَا قَالَ: ارْجِعْ إِلَيْهِمَا فَاسْتَأْذِنْهُمَا فَإِنْ أَذِنَا لَكَ فَجَاهِدْ وَإِلَّا فَبِرَّهُمَا۔ (ابو داود،

رقم ۲۵۳۰)

''ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ یمن کے لوگوں میں سے ایک شخص (جہاد کی غرض سے) ہجرت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا: یمن میں کوئی عزیز ہے؟ عرض کیا: میرے ماں باپ ہیں۔ فرمایا: اُنھوں نے اجازت دی ہے؟ عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: جاؤ اور اُن سے اجازت لو، اگر دیں تو جہاد کرو، ورنہ اُن کی خدمت کرتے رہو۔''

(۳۷) عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ جَاهِمَةَ السَّلَمِيِّ أَنَّ جَاهِمَةَ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَدْتُ أَنْ أَغْزُوَ وَقَدْ جِئْتُ أَسْتَشِيرُكَ فَقَالَ: هَلْ لَكَ مِنْ أُمٍّ قَالَ نَعَمْ قَالَ: فَالْزَمْهَا فَإِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ رِجْلَيْهَا۔ (نسائی، رقم ۳۱۰۶)

''معاویہ اپنے باپ جاہمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ، جہاد کے لیے جانا چاہتا ہوں اور آپ سے مشورے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے پوچھا: تمھاری ماں زندہ ہے؟ عرض کیا: جی ہاں۔ فرمایا: تو اُس کی خدمت میں رہو، اِس لیے کہ جنت اُس کے پاؤں کے نیچے ہے۔''

(۳۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: رِضَى الرَّبِّ فِي رِضَى الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ۔ (ترمذی، رقم ۱۸۹۹)

''عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پروردگار کی خوشی باپ کی خوشی میں اور اُس کی ناراضی باپ کی ناراضی میں ہے۔''

توضیح:

یہ احادیث ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ خدا اور اس کے رسول کے نزدیک انسان کے لیے اُس کے والدین کی کیا حیثیت اور اہمیت ہے۔

۱۔ ان میں یہ بتایا گیا ہے کہ حسن سلوک کے حوالے سے ماں کا درجہ باپ سے تین گنا ہے۔

۲۔والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ جہاد جیسے عظیم عمل سے بھی افضل ہے،لہذا،اگر انھیں اولاد سے خدمت کی ضرورت ہےتو پھر انھیں تنہا چھوڑ کر جہاد پر چلے جانا صحیح نہیں ہے۔

۳۔انسان اپنے بوڑھے والدین کی خدمت کرکے آسانی سے جنت حاصل کرسکتا ہے۔اگر کسی شخص کے ماں باپ یاان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کی حالت میں اُس کے پاس موجود ہواور وہ ان کی خدمت کرکے جنت حاصل نہیں کرتا تو وہ یقیناً بدنصیب ہے۔

۴۔انسان کی جنت اس کی ماں کے قدموں تلے ہے۔

۵۔اللہ کی خوشی باپ کی خوشی میں اور اُس کی ناراضی باپ کی ناراضی میں ہے۔

والدین سے حسن سلوک کا صلہ

(۳۹) عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ أَنَّ رَجُلًا أَتَاهُ فَقَالَ إِنَّ لِیَ امْرَأَةً وَإِنَّ أُمِّی تَأْمُرُنِی بِطَلَاقِهَا قَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: الْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَإِنْ شِئْتَ فَأَضِعْ ذٰلِكَ الْبَابَ أَوِ احْفَظْهُ۔ (ترمذی، رقم ۱۹۰۰)

''ابودردا رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا: باپ جنت کا وسطی دروازہ ہے،خواہ تو اسے ضائع کردے یا اس کی حفاظت کرے۔''

توضیح:

یہاں باپ سے مراد والدین ہیں۔فرمایا کہ یہ جنت کا وسطی یعنی بہترین دروازہ ہیں،انسان ان کی خدمت کرکے نہایت آسانی سے جنت کا اعلیٰ درجہ حاصل کرسکتا ہے۔چنانچہ یہ بات خود اُس پر منحصر ہے کہ وہ اپنی ابدی زندگی سنوارنے کے لیے کیا کرتا ہے اور کیا نہیں کرتا۔

والدین کا حق

(۴۰) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عمروٍ أَنَّ رَجُلًا أَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ لِی مَالًا وَوَلَدًا وَإِنَّ وَالِدِی يَحْتَاجُ مَالِی قَالَ: أَنْتَ وَمَالُكَ لِوَالِدِكَ إِنَّ

أَوُلَادَکُمُ مِنُ أَطُیَبِ کَسُبِکُمُ فَکُلُوا مِنُ کَسُبِ أَوُلَادِکُمُ۔ (ابو داود، رقم ۳۵۳۰)

''عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا اے اللہ کے رسول میرے پاس مال بھی ہے اور اولاد بھی اور میرے باپ کو میرے مال کی ضرورت ہے۔ آپ نے فرمایا: تو اور تیرا مال تیرے باپ ہی کا ہے۔ (اے لوگو) بے شک تمھاری اولاد تمھاری پاکیزہ کمائی ہے، چنانچہ (تمھارے لیے یہ جائز ہے کہ) تم اپنی اولاد کی کمائی میں سے کھاؤ۔''

توضیح:

انسان کی اولاد اُس کی کمائی ہے۔ چنانچہ والدین اپنی اولاد کی کمائی میں سے اپنی ضروریات کے بقدر بلا جھجک فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اپنی اولاد کا مال ان کے لیے کسی غیر کا مال نہیں ہوتا۔

ریحان احمد یوسفی

پتی، کیکر، پھول، درخت اور انسان

[المورد کے پیش نظر مقاصد میں سے ایک مقصد ایسی خانقاہوں کا قیام ہے جہاں آ کر لوگ دین سیکھیں اور ذکر و عبادت میں مشغول رہ کر اپنے لیے پاکیزگی قلب و نظر کا سامان کریں۔ اس پس منظر میں ایک ابتدائی کاوش کراچی میں کی گئی ہے جہاں ایک تربیت گاہ کے ذریعے سے اس مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ قارئین اشراق کی خدمت میں ریحان احمد یوسفی صاحب کی ایک تحریر پیش ہے جو فروری 2010 میں ہونے والی ایک تربیتی نشست میں لوگوں کے درمیان تقسیم کی گئی تھی۔]

پتے کا جھڑنا

درخت کی لچکتی شاخ سے ایک پتی جھڑی اور ہوا کے دوش پر میرے دامن میں آ گری۔ میں نے اس پتی کو ہاتھ میں اٹھایا۔ خدائے ذوالجلال کی اس بے مثل صناعی کو دیکھ کر میرے دل سے بے اختیار اُس کی حمد کی صدا نکل گئی۔ پھر میری نگاہیں اٹھیں اور مجھے انسانی دنیا سے نکال کر درختوں کی اُس دنیا میں لے گئیں جو شاید خدا کی قدرت اور رحمت کا سب سے بڑا تعارف ہے۔

درخت بلاشبہ زمین کا زیور ہیں اور درختوں کا زیور پتے ہوا کرتے ہیں۔ پتے درختوں کا لباس ہوتے ہیں۔ یہ برہنہ شاخوں کو عریانی کے عیب سے تو بچاتے ہی ہیں مگر ساتھ میں سبز ریشم کی قبائے دلربا سے ان شاخوں کو آراستہ بھی کرتے ہیں۔ پاکستان میں زیادہ تر درخت سبز ہوتے ہیں، مگر امریکہ اور کینیڈا کے موسم خزاں کی آمد پر میں نے اس قبائے دل نواز کو سبز کے علاوہ سرخ، پیلے اور براؤن رنگوں میں بھی بکثرت دیکھا ہے۔

خزاں کی رُت کے ساتھ یہ رنگ برنگے پتے جھڑتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ موسم سرما میں درخت بالکل

برہنہ ہوجاتے ہیں۔ پھراس کے بعد اگلے موسم بہار میں نئی کونپلوں سے نئے پتے پھوٹتے ہیں اور ایک دفعہ پھر سے زمین 'سبزہ' کا سنگھار کر کے آسمان کو لبھانے لگتی ہے۔آسمان یہ منظر دیکھ کر محبت کی گرمی میں سلگنے لگتا ہے اور آخر کار ساون کی رُت میں وہ اپنی محبت کی بارش اس پر نچھاور کر دیتا ہے۔

موسموں، رنگوں اور درختوں کی یہ دنیا خدا کی دنیا ہے۔اس دنیا میں انسان کی حیثیت کسی بے وقعت پتے سے زیادہ نہیں ہے۔مگر خدائے کریم نے انسان کو مخلوقات پر ترجیح دے کر اسے اپنی ہم کلامی کا شرف بخشا۔ارادہ واختیار کی بادشاہی دی۔عقل وشعور کی نعمت سے نوازا۔ جنت میں اپنی ابدی رفاقت کا موقع عطا کیا۔آہ! مگر انسان ان سارے مواقع اور انعامات کو نظرانداز کر کے جانوروں کی سی غفلت بھری زندگی گزارتا ہے۔کھایا پیا، موج مستی کی، جوڑا بنایا، گھونسلا بنایا، بچے پیدا کیے اور ایک روز کسی پتے کی طرح شاخِ ہستی سے جھڑ گیا۔

درخت کی لچکتی شاخ سے ایک اور پتی جھڑی اور ہوا کے دوش پر میرے دامن میں آگری۔ میں نے اس پتی کو ہاتھ میں اٹھایا اور سوچا کہ ہر انسان شاخِ ہستی پر ایک پتی کی طرح نمودار ہوا ہے۔ بہت جلد وہ وقت آرہا ہے کہ جب انسان کا وجود خزاں کی کسی شام میں موت کی پت جھڑ کی نذر ہو جائے گا۔اس کا وجود زمین کی مٹی میں رل مل جائے گا۔

پروردگار! یہی کچھ بہت جلد میرے ساتھ ہونے جا رہا ہے۔ میرا وجود بھی خاک سے اٹھا اور بہت جلد موت کی ہوا اسے شاخِ زندگی سے جدا کر کے قبر کی مٹی میں ملا دے گی۔ میں اس حقیقت کو یاد رکھوں یا بھول جاؤں، یہ واقعہ ہو کر رہے گا۔اس سے پہلے کہ یہ ہو مجھے معاف کر دے۔اغفرلی یارب......اغفرلی۔

کیکر اور اخلاق

ہم نے جب اس تربیت گاہ میں پہلا قدم رکھا تو یہاں کیکر کا ایک جنگل اگا ہوا تھا۔اس جھاڑ جھنکاڑ میں بنے راستوں اور پگڈنڈیوں سے گزرنے کی کوشش میں ہم میں سے ہر شخص کے ہاتھوں، پیروں اور کپڑوں سے ان جھاڑیوں اور کانٹوں نے اپنا 'خراج' یا دورِ جدید کی اصطلاح میں 'ٹول ٹیکس' وصول کیا تھا۔ہم وقفے وقفے سے کانٹے نکالتے رہے اور ٹیکس دیتے رہے۔

یہ کیکر بڑی عجیب چیز ہے۔اسے اگانا نہیں پڑتا۔ یہ خود بخود اگتا اور پھیلتا چلا جاتا ہے۔مگر جب یہ پھیل جائے تو اسے نکالنا اتنا ہی مشکل ہوا کرتا ہے۔اس کو کاٹ ڈالیے، اس کی جڑوں میں تیزاب ڈالیے یا کیکر کے جنگل کو آگ لگادیں۔ یہ اتنی آسانی سے زمین کی جان نہیں چھوڑتا۔مگر انسان جہاں آباد ہونا چاہتا ہے وہاں اس سے لازماً جان

چھڑانے کی کوشش کرتا ہے۔ کیونکہ کیکر کے کانٹوں کے ساتھ گزارا نہیں ہوسکتا۔ اس کی شاخیں بے ہنگم اور اس کے پتے کم سایہ دار ہوتے ہیں۔ اس کی لکڑی بھی کم اور غیر مفید ہوا کرتی ہے۔

کیکر مجھے ہمیشہ سے اخلاقی خرابیوں اور بری عادات کا نمائندہ درخت لگتا ہے۔ یہ انھی کی طرح بے ثمر اور کانٹے دار ہوتا اور انھی کی طرح تیزی سے پھیلتا ہے۔ بری عادتوں کی طرح اسے بھی زمین سے مٹانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ مگر بہت عجیب بات ہے کہ انسان کیکر کو جتنا ناپسند کرتا اور اپنے رہنے سہنے کی جگہ سے جس تندہی سے اسے اکھاڑ پھینکتا ہے، اپنے وجود میں وہ اخلاقی کیکروں کو اتنے ہی شوق و رغبت سے اگاتا ہے۔ حسد، تکبر، اسراف، نمود و نمائش، خود پسندی، لالچ، کینہ، بغض، عداوت، نفسانیت، ہوسِ زر، غفلت، غیبت، چغل خوری، بہتان، جھوٹ...... یہ اور ان جیسے ان گنت کیکروں کا ایک درخت ہے جسے ہم اپنے باطن کی زمین پر اُگنے دیتے ہیں۔ ان کے کانٹوں سے ہم دوسروں کو لہولہان کر دیتے ہیں۔ اس کی جھاڑیوں سے ہم خیر اور صلہ رحمی کی راہیں مسدود کر دیتے ہیں۔ ہم اس کے بیجوں کی آبیاری اپنے بچوں اور دیگر لوگوں میں کر کے انھیں بھی کیکر کا جنگل بنا دیتے ہیں۔ مگر ہمیں کوئی احساس نہیں ہوتا۔ ہمیں بالکل برا نہیں لگتا۔ کتنا عجیب ہے یہ تضاد جو انسانوں نے اپنے اندر پیدا کر رکھا ہے۔ باہر کے کیکر سے دشمنی اور اپنے اندر کے کیکر سے اتنی بے توجہی۔

باغ: جنت کا نشان

ہم نے یہ تربیت گاہ اسی بنیادی خیال کو سامنے رکھ کر بنائی ہے کہ ہم سب لوگ اپنے اندر اپنے اپنے 'کیکر جنگل' لیے پھر رہے ہیں۔ یہ حال خالی جاہل عوام الناس ہی کا نہیں، ہمارے جیسے دینی اور دنیوی طور پر باشعور اور تعلیم یافتہ لوگوں کا بھی ہے۔ مولانا رومی نے کہا ہے:

علم را بر تن زنی مارے بود
علم را بر من زنی یارے بود

علم جب ظاہر تک محدود رہے تو سانپ بن جاتا ہے اور جب قلب میں اترے دوست بن جاتا ہے۔ یہی اس تربیت گاہ کا بنیادی خیال ہے کہ اپنے علم کو آستین کا سانپ نہ بننے دیا جائے بلکہ اسے قلب کی زمین میں اتارا جائے۔ غور و فکر، ذکر، عبادت اور ذاتی محاسبے کے لیے کچھ وقت نکالا جائے۔ اپنی شخصیت کے اندر اتر کر اس کی زمین پر موجود جھاڑ جھنکاڑ کی نشاندہی کی جائے اور پھر انھیں اکھاڑ کر اخلاق عالیہ کے خوبصورت بیل بوٹوں، رنگ و گل، سبز زمین اور

سایہ دار درختوں سے اسے آراستہ کیا جائے۔

پچھلے کچھ عرصے سے عملاً یہی کام یہاں ہورہا ہے۔ ہمارے تین بزرگوں اور دوستوں یعنی شفیق الزماں صاحب، ڈاکٹر حبیب الرحمان اور زبیر زندانی صاحب نے کل وقتی طور پر اس کی ذمہ داری سنبھال رکھی ہے جبکہ دیگر کئی ساتھیوں نے بہت تعاون کیا ہے۔ جس کے نتیجے میں کیکر اور حشرات الارض کا یہ جنگل ایک خوبصورت باغ میں بدل رہا ہے۔ پہلے کیکر کے جنگل کو آگ لگائی گئی۔ پھر ایک ایک جھاڑ جھنکاڑ کو کاٹا گیا۔ ان کی جڑوں تک کو نکال دیا گیا۔ ٹریکٹر چلا کر زمین کو ہموار اور صاف کیا گیا۔ پانی کا انتظام کیا گیا۔ پھر آہستہ آہستہ سبز گھاس، تیزی سے بڑھنے والے درخت، رنگ برنگی بیلیں، خوشنما رنگ والے پھول اور پودے لگائے گئے اور انشاء اللہ چند مہینوں میں یہ جگہ جنت کے باغ کا ایک منظر پیش کرنے لگے گی۔

یہاں جو کچھ ہوا وہی یہاں آنے والوں کو کرنا ہے۔ انھیں بھی اپنے اندر موجود اخلاقی کیکر کے جنگل کو اعلیٰ اخلاق کے باغ سے بدلنا ہے۔ کیونکہ جو لوگ اپنے اندر یہ باغ اگاتے ہیں کل قیامت کے دن یہی وہ لوگ ہوں گے جو جنت کے ابدی باغوں میں داخل کیے جائیں گے۔ رہے وہ لوگ جنھوں نے اپنے اندر اخلاقی جھاڑ جھنکاڑ کو بڑھنے دیا، کل قیامت کے دن ان کو جہنم کی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

تاہم جیسا کہ یہاں کے جھاڑ جھنکاڑ کو باغ سے بدلنا ایک بہت مشکل کام تھا اسی طرح اپنے اندر کے جھاڑ جھنکاڑ کو صاف کرنا آسان نہیں ہے۔ یہ ایک کل وقتی کام ہے۔ ذرا سی بے توجہی سے دوبارہ جھاڑ جھنکاڑ اگ جاتا ہے۔ ہمیں یہاں بھی اس کا تجربہ ہوا ہے۔ ہم نے کافی بڑے حصے پر سے جنگل صاف کیا تھا۔ مگر وسائل کی کمی کی بنا پر صرف ایک چھوٹے سے حصے ہی پر باغ بنانے کا عمل شروع ہو سکا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ باقی حصے پر ڈھیٹ کیکر پھر نمودار ہو گیا۔ اگر ہمیں وسائل میسر نہیں ہوئے تو پھر تھوڑے ہی عرصے میں 'کیکر' یہ جنگ جیت جائے گا۔

تاہم یہ بھی یہاں آنے والوں کے لیے ایک بہترین سبق ہے۔ 'اخلاقی کیکر' بھی ذرا سی بے توجہی سے پھر بڑھنے لگتا ہے۔ ہم اگر ایک عادت کی اصلاح کریں اور دوسری برائی سے بے توجہی برتیں تو تھوڑے ہی عرصے میں وہ برائی اپنا جھاڑ جھنکاڑ ہر طرف پھیلا دے گی۔

خدا ہمارا مالی ہے

ہم نے یہاں ایک کل وقتی مالی رکھا ہوا ہے۔ یہ مالی نہ ہو تو جانور، موسم اور حالات چھوٹے چھوٹے پودوں اور

کونپلوں کو پروان ہی نہ چڑھنے دیں گے۔ کہیں سے کیکر نمودار ہو جائے گا۔ کوئی بکری ان کو چر جائے گی۔ پانی کا نہ ملنا انھیں مرجھا دے گا وغیرہ۔

انسان کے ساتھ بھی یہ سب کچھ ہوسکتا ہے۔ اس کا اخلاقی وجود حالات کے بے رحم موسموں کی تاب نہ لا کر مرجھا سکتا ہے۔ ظلم و ناانصافی، معاش کی تنگی، حالات کا جبر اور ماحول کی سختی غرض ہر چیز انسان کے وجود کے لیے خطرہ بن سکتی ہے۔ ایسے میں اگر کوئی بچا سکتا ہے تو وہ پروردگار عالم ہے۔ وہی ہمارا مالی، ہمارا نگہبان ہے۔ ہمیں اُس سے مدد مانگنی چاہیے۔ وہی ہے جو کھاد کی گندگی سے سبزے کی خوبصورتی پیدا کرتا ہے۔ وہی ہے جو منوں مٹی میں دبی نازک کونپلوں کو آسمان کی سی بلندی اور رفعت عطا کرتا ہے۔ وہی ہے جو بدرنگ درختوں کو سبزے کی قبا، سائے کی ردا، پھولوں کا جمال، پھلوں کا کمال، خوشبو کی مہک اور رنگوں کی رونق عطا کرتا ہے۔ جو انسان اُس کریم کے قدموں میں گر کر، اس کے جمال و کمال کا واسطہ دے کر، اس کی قدرت اور صناعی کا اعتراف کر کے اس مانگتا ہے...... رب رحیم اسے خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا۔ خدا ایسے انسان کا مالی بن جاتا ہے۔ اس کا پانی، اس کی دھوپ، اس کے موسم، اس کا روپ...... سب خداوند خود سنوارتا ہے اور آخر کار مالی اپنے محبوب پودے کو ہمیشہ کے لیے اپنی جنت میں بسا دیتا ہے۔

جنت کیا ہے؟ اس کائنات میں جس طرح اندھیروں، آگ، چٹانوں اور گیسوں کے درمیان زمین کی جنت آج بنا دی گئی ہے، کل اسی طرح باقی کائنات کو بھی گل و گلزار کر کے جنت بنا دی جائے گی۔ اس جنت میں اعلیٰ اخلاق کے انسانوں کو بسایا جائے گا۔ ان کے اعمال کے بدلے میں ان کے باہر بھی حسن ہوگا اور ان کے اندر بھی۔ دنیا میں حیا ان کا لباس تھی، جنت میں ریشم و دیبا ان کا لباس ہوگا۔ دنیا میں مسجد اور عبادت ان کی پسند تھی، جنت میں لعل و موتی کے بنے محلات ان کے گھر ہوں گے۔ دنیا میں تقویٰ اور پرہیز گاری ان کا چلن تھا، جنت میں ہر دکھ، بیماری اور پریشانی سے بچا کر خوشیاں اور راحتیں ان کا نصیب کر دی جائیں گی۔ وہ دنیا میں اچھی گفتگو کرتے تھے، جنت میں ان کی سانس کے ساتھ خوشبو آیا کرے گی۔ دنیا میں ان کے اندر کینہ کی جگہ محبت، حسد کی جگہ خیر خواہی اور تکبر کی جگہ انکساری ہوتی تھی، جنت میں ان کے خون کی جگہ مشک، فضلات کی جگہ عنبر اور رگوں، پٹھوں کی جگہ نور بھر دیا جائے گا۔

یہ سب شاید عجیب محسوس ہو۔ مگر نظر اٹھا کر دیکھیے۔ جو ہستی آج کھاد کی گندگی سے پھولوں اور سبزے کا رنگ پیدا کر رہی ہے، اس کے لیے وہ سب کچھ کرنا کیا مشکل ہے جو پیچھے ہم نے بیان کیا ہے۔ اللہ پاک ہے۔ ہر تعریف اُسی کے لیے ہے۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی سب سے بڑا ہے۔

درخت اور انسان

ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس تربیت گاہ میں لوگ درختوں کی 'اونرشپ' (Ownership) لیں۔ مطلب یہ کہ ہر شخص کم از کم ایک درخت خود لگائے اور پھر وقفے وقفے سے آکر اس کی نگہبانی کرتا رہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ درخت وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا رہے گا اور اس کی گروتھ یا نشو و نما ہمارے سامنے یہ مشن زندہ رکھے گی کہ ہمیں اپنے اخلاقی وجود کی بھی اسی طرح نشو و نما کرنی ہے۔

درخت انسان کے لیے ایک بہترین اخلاقی معلم ہے۔ قرآن پاک کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اعلیٰ اخلاقی کردار ہی دین کا مطلوب و مقصود ہے۔ کوئی انسان اگر اس کردار کے مطابق زندگی گزارنا چاہتا ہے تو اسے درخت کو اپنا آئیڈیل بنانا چاہیے۔ درخت کے دو پہلو اس معاملے میں انسان کے لیے بہترین رہنما ہیں۔

ایک درخت کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو، ہر قسم کے تعصب سے خالی ہونا ہوتا ہے۔ درخت ایک آفاقی پروڈکٹ ہے، جس کی نشو و نما میں پوری کائنات حصہ لیتی ہے۔ درخت اپنے وجود کو بڑھاتا ہے اور اس عمل میں وہ کسی سے تعصب نہیں برتتا۔ وہ ایک دوسرے درخت کے بیج سے جنم لیتا ہے، مگر اس کے بعد وہ بلاتعصب سورج سے روشنی قبول کرتا ہے۔ وہ بغیر کسی تعصب کے آسمان اور بادلوں سے پانی وصول کرتا ہے۔ وہ بغیر کسی تعصب کے فضا سے ہوا کو جذب کرتا اور زمین سے زرخیزی اور مٹی اخذ کرتا ہے۔ ان سب چیزوں کی مدد سے وہ اپنے وجود کو بڑھاتا اور ایک چھوٹے سے بیج سے، ایک طاقتور اور سایہ دار درخت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اگر وہ تعصب کا مظاہرہ کرتا تو کبھی کوئی بیج درخت نہ بن پاتا۔

درخت کی زندگی میں ہمارے لیے ایک دوسرا نمونہ اس اعتبار سے ہے کہ جب اس کے ساتھ برائی کا معاملہ ہوتا ہے، تب بھی وہ بھلائی ہی کا معاملہ کرتا ہے۔ اس کی زندگی کے آغاز ہی پر اسے زمین میں دبا دیا جاتا ہے، لیکن وہ شکایت نہیں کرتا۔ بلکہ شکایت کیے بغیر وہ کوشش اور جدوجہد کرتا اور زمین سے باہر نکل آتا ہے۔ جب وہ باہر نکلتا ہے تو یہ فضا اسے کاربن ڈائی آکسائیڈ دیتی ہے، لیکن وہ انسانوں کو پلٹ کر آکسیجن دیتا ہے۔ اس کے وجود کو زمین بدشکل جڑ اور بے روپ تنے کی شکل میں جنم دیتی ہے۔ لیکن وہ پلٹ کر لوگوں کو سبزہ، پھول اور پھل کی بہاریں دیتا ہے۔ لوگ اسے پتھر مارتے ہیں، لیکن وہ اپنے پھل ان پر نچھاور کر دیتا ہے۔ اسے دھوپ ملتی ہے، لیکن وہ انسانوں کو سایہ دیتا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک وقت آتا ہے کہ اسے کاٹ دیا جاتا ہے۔ مگر پھر بھی یہ لوگوں کے فائدے کے لیے ان کے گھر کا فرنیچر،

ان کے بیٹھنے کا صوفہ اوران کے لیٹنے کی مسہری بن جاتا ہے۔حتیٰ کہ جب اسے آگ میں جلا دیا جاتا ہے تب بھی وہ جواب میں لوگوں کو روشنی اور حرارت مہیا کرتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ درخت کی طرح جو انسان ہر طرح کے تعصب سے پاک ہو اور یکطرفہ طور پر مخلوقِ خدا کا خیر خواہ ہو، کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے اس کے صبر کا بہترین بدلہ دیں گے اور اسے جنت کے ابدی باغوں میں ہمیشہ کے لیے بسا دیا جائے گا۔

محمد اسلم نجمی

کاروانِ زندگی

[دینِ اسلام پر کیسے عمل ہو؟ یہ شریعت اور قانون کا موضوع ہے۔ یہ دین کیسا ہو؟ یہ حقیقت صرف قرآنِ مجید ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔ کاروانِ زندگی میں یہی حقیقت بیان ہوئی ہے۔ اس کتاب کی ہر صحیح بات استاذِ گرامی اور الامام الاستاذ کی علمی مجلسوں اور تصنیفات سے ماخوذ ہے، میری حیثیت بس ایک ناقل کی ہے۔]

اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ ایک ایسی مخلوق پیدا کرے جسے بقائے دوام (ہمیشہ کی زندگی) حاصل ہو، اور اس کی یہ زندگی ہر طرح کے غم و آلام سے پاک اور ہر قسم کے عیش و عشرت اور آرام و سکون سے مالا مال ہو۔ انسان کی تخلیق اللہ تعالیٰ کے اسی منصوبے کا مظہر ہے۔

حیاتِ انسانی

حیاتِ انسانی کی ترکیب کچھ اس طرح سے ہے کہ اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ان حصوں کے درمیان میں موت کی دیوار حائل ہے۔ دیوار کے اِس پار دنیا کی زندگی ہے اور اُس پار حیاتِ اُخروی اس کی منتظر ہے۔ یہ دنیا جس میں ہم جی رہے ہیں، یہ آزمائش کے اصول پر بنائی گئی ہے (۶۷:۲، ۱۱:۷) اور آخرت عدل کے اصول پر قائم ہوگی (۱۰:۴، ۲۱:۴۷)

آزمائش

قرآنِ مجید کے مطالعہ سے اس تقسیم کی جو وجہ سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان دنیا میں کچھ وقت گذارے۔ اس دوران میں وہ (آخرت میں) عیش و آرام کی ابدی زندگی کے لیے اپنا استحقاق ثابت کرے۔ یہ استحقاق ثابت کرنے کے لیے اسے جو آزمائش درپیش ہے وہ حسنِ عمل کی آزمائش ہے: اور (اللہ) وہی ہے جس نے آسمانوں اور

زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا (آسمانوں اور زمین کی تخلیق کوئی اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ یہ عالم کے پروردگار کے ارادہ، سکیم اور حکمت کا نتیجہ ہے۔ان کی تخلیق سے پہلے اس کی حکومت پانی پر قائم تھی) اور اس کا عرش پانی پر تھا (یہ دنیا بازیچہ اطفال یا کسی کھلنڈرے کا کھیل نہیں ہے اور اس کی تخلیق بے مقصد نہیں ہے، بلکہ یہ خیر وشر کی امتحان گاہ ہے۔اور یہ معرکہ برپا کیا گیا ہے) تاکہ تمھیں جانچے کہ کون اچھے عمل والا ہے (۱۱:۷) بڑی ہی عظیم اور فیض رساں ہے وہ ذات جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا ہے (ان میں سے کسی پر بھی کسی دوسرے کو کوئی اختیار نہیں ہے۔اور اس نے عدم کے بعد زندگی پر قدرت کے ثبوت کے لیے موت کو زندگی پر مقدم کیا) تاکہ تمھارا امتحان کرے کہ تم میں سے کون اچھے عمل والا بنتا ہے (اور اس امتحان کا لازمی تقاضا ہے کہ وہ ایک ایسا دن بھی لائے جس میں لوگوں کو پھر سے زندہ کرے، ہر شخص کی نیکی اور بدی کا حساب ہو اور وہ اپنے عمل کے مطابق جزا اور سزا پائے) (۶۷:۲)۔اس کے لیے اسے ارادے کی آزادی اور اختیار عطا ہوا ہے۔اس آزمائش میں اسے پورا اترنا ہے: اور اللہ ہی ہے جس نے تمھیں زمین پر ایک دوسرے کا جانشین بنایا اور (اور دنیوی اسباب ووسائل میں کمی بیشی کرکے) ایک کے درجے دوسرے پر بلند کیے (لیکن یہ پیش نظر رہے کہ وسائل اور ذرائع کی دستیابی تمھاری قابلیتوں کا ثمرہ نہیں ہے بلکہ تمھیں یہ بے مانگے اور بغیر استحقاق کے ملی ہیں۔وسائل میں تفاوت اس دنیا میں انسان کو درپیش آزمائش کا لازمی تقاضا ہے۔ایک تو آزمائش کے لیے یہ اونچ نیچ ضروری تھی اور دوسرے اس اونچ نیچ کے بغیر اس دنیا کا نظام چلانا ممکن نہ تھا، لہٰذا اس نے یہ سب کام کیا) تاکہ جو کچھ اس نے تمھیں بخشا ہے اس میں تم کو آزمائے (کہ تم خدا کے شکر گزار بندے بنتے ہو یا شیطان کی پیروی کرکے ناشکری کی روش اختیار کرتے ہو) بے شک تیرا رب جلد اعمال کا بدلہ دینے والا بھی ہے اور وہ بخشنے والا اور مہربان بھی ہے (وہ دن جلد آنے والا ہے، جس دن ہر مجرم اپنی بدی کی سزا پائے گا اور نیکوکاروں کو ان کی نیکی کی جزا ملے گی اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت اور مغفرت سے نوازے گا) (۶:۱۶۵): (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) روئے زمین پر جو کچھ ہے ہم نے اس کو زمین کے لیے سنگار بنایا ہے، تاکہ ہم لوگوں کا امتحان کریں کہ ان میں (سے اپنی عقل وتمیز سے کام لے کر) کون اچھے عمل کرنے والا کون بنتا ہے (اور کون اپنی خواہشات کا غلام بن کر اسی دنیا کا ہو کر رہ جاتا ہے) اور (ہم نے اس دنیا کے چہرے پر حسن وزیبائی کا ایک پرفریب غازہ مل دیا ہے۔اس کے مال و اولاد، کھیت اور کھلیان، دولت وشہرت، عزت واقتدار، محلات اور ایوانوں میں بڑی کشش اور دل فریبی ڈال دی ہے۔ اس کی لذتیں نقد اور آخرت کی کامرانیاں ادھار اور پس پردہ ہیں۔یہ بے وقوف اور عقل ودل کے اندھے لوگ آخرت کو بھلا کر دنیا کی جن چیزوں پر ریجھے ہوئے ہیں، ایک وقت آئے گا کہ) ہم بالآخر اس پر جو کچھ ہے اس کو چٹیل میدان

کرکے چھوڑیں گے(۸۔۷:۱۸)۔پس یاد رکھو(ظہورِ قیامت کے وقت) جب صور میں ایک ہی بار پھونک ماری جائے گی(تو قیامت برپا ہو جائے گی اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا) اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر ایک ہی بار میں پاش پاش کر دیا جائے گا تو اس دن واقع ہونے والی (جس قیامت کو تم بعید از امکان سمجھ کر بے پروا اور سرکش ہوئے بیٹھے ہو،وہ) واقع ہو جائے گی اور آسمان پھٹ جائے گا اور (آج جو آسمان تمھیں دیکھنے میں ٹھوس اور مستحکم نظر آتا ہے) اس دن وہ نہایت پھس پھسا ہوگا اور فرشتے (بھی سراسیمہ حالت میں) اس کے کناروں پر ہوں گے (قیامت برپا ہونے کے بعد سارے کارکشایانِ قدرت اپنی ذمہ داریوں سے فارغ جائیں گے،بس عرش الٰہی پر مامور فرشتے رہ جائیں گے) اور تیرے رب کے عرش کو اس دن آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔اس دن (زمین و آسمان کی ساری بساط لپیٹ دی جائے گی، کوئی جائے پناہ نہ ہوگی اور) تمھاری (اللہ رب العالمین کے حضور) پیشی ہوگی۔تمھاری کوئی بات بھی ڈھکی چھپی نہیں رہے گی۔

پس (جس نے آخرت میں خدا کے حضور پیشی کے ڈر سے دنیا میں خدا کا بندہ بن کر زندگی گذاری ہوگی، وہی ہوگا) جس کو اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ (وہ اپنا اعمال نامہ دیکھتے ہی خوشی سے اچھل پڑے گا اور) کہے گا کہ پڑھو میرا اعمال نامہ،میں نے (دنیا میں) گمان رکھا (اور میرا دل گواہی دیتا تھا) کہ مجھے اپنے حساب سے دوچار ہونا ہے۔پس (اسے وہ سب کچھ ملے گا جو وہ چاہے گا اور) وہ تو ایک دل پسند عیش میں ہوگا،ایک بلند و بالا باغ میں۔اس کے پھل قریب لٹک رہے ہوں گے۔(اور اس سے کہا جائے گا) کھاؤ پیئو بے غل و غش (دنیا کی نعمتوں کے استعمال میں اگر اعتدال ملحوظ نہ رہتا یا ان کا صحیح شکر ادا نہ ہوتا تو وہ وبال بن سکتی تھیں لیکن ان نعمتوں میں جو تمھیں اب مل رہی ہیں،ان کے استعمال میں ایسا کوئی خدشہ نہیں ہے۔اور تمھیں یہ سب کچھ حاصل ہوا ہے) اپنے ان اعمال کے صلے میں جو تم نے گزرے دنوں (یعنی دنیا کی زندگی) میں کیے (تم اس کے پورے حق دار ہو،یہ تمھارے لیے ہمیشہ باقی رہنے والی نعمتیں ہیں۔ان میں وقتاً فوقتاً اضافہ تو ہوتا رہے گا لیکن ان میں اب کمی کا کوئی امکان نہیں ہے۔جو محنت تم نے یہ نعمتیں حاصل کرنے کے لیے کرنی تھی وہ کر چکے،اب تو بس ان سے بہرہ مند ہونا ہے) رہا وہ جس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ (اسے دیکھتے ہی اپنا سر پیٹے گا اور کہے گا) کاش میرا اعمال نامہ مجھے دیا ہی نہ گیا ہوتا اور میں جانتا ہی نہ کہ میرا حساب کتاب کیا ہے،اے کاش کہ وہی موت فیصلہ کن ہوئی ہوتی (جو دنیا میں ہمیں آئی تھی) میرا مال (جو میں نے نہایت اہتمام سے جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا وہ) میرے کیا کام آیا! میرا اقتدار (جس پر مجھے بہت ناز تھا اور جس نے دنیا کی زندگی میں مجھے آخرت سے غافل کر کے اندھا بنائے

رکھا، وہ بھی) مجھ سے چھن گیا‘ (اسی دوران میں اللہ کی طرف سے حکم ہوگا کہ) اس کو پکڑو پھر اس کی گردن میں طوق ڈالو، پھر اسکو جہنم میں جھونک دو، پھر ایک زنجیر میں، جس کی پیمائش ستر ہاتھ ہے، اس کو جکڑ دو (اس کے جملہ جرائم میں سے سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ) یہ خدائے عظیم پر ایمان نہیں رکھتا تھا (اگر خدائے عظیم پر اس کا ایمان ہوتا تو یہ خدا کے حضور پیشی سے اندیشہ ناک ہوتا کہ اسے ایک روز عالم کے پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اور اپنے ایک ایک عمل کا حساب دینا ہے۔ اسے اللہ نے دولت دی مگر یہ نہ خود اسے مسکینوں پر خرچ کرتا تھا) اور نہ مسکینوں کو کھانا کھلانے پر لوگوں کو ابھارتا تھا۔ پس آج اس کا یہاں کوئی ہمدرد نہیں (کیوں کہ جس نے نہ خدا کا حق پہچانا اور نہ مخلوق کا، قیامت کے دن بھلا اس کے ساتھ کون ہمدردی کرنے والا ہوگا) اور غسالہ (یعنی گندی اور ناپاک چیزوں کے دھوون) کے سوا اس کے لیے کوئی کھانا نہیں ہے۔ یہ کھانا صرف گنہ گار ہی کھائیں گے (کیوں کہ انھوں نے دنیا میں دولت کا مصرف صرف تن پروری اور کام و دہن کی لذت ہی کو قرار دیا اور اس ہوس میں غربا اور مساکین کے حقوق ہڑپ کر کے اپنے سارے مال کو نجس بنایا) (۶۹: ۱۳۔۳۷): مجرم تمنا کرے گا کہ اے کاش اس دن کے عذاب سے چھوٹنے کے لیے اپنے بیٹوں، اپنی بیوی، اپنے بھائی، اپنے اس خاندان کو، جس کی وہ پناہ میں رہا ہے، اور تمام اہل زمین کو فدیہ میں دے کر اپنے آپ کو بچالے۔ (اس کی یہ خواہش بس خواہش ہی رہے گی اور) ہرگز (ایسا) نہیں (ہوگا، بلکہ وہ جہنم کی دہکتی آگ کے حوالے کر دیا جائے گا اور) وہ ایسی آگ ہوگی جس کی لپٹ چمڑی ادھیڑ دے گی۔ وہ ان سب کو کھینچ بلائے گی جنھوں نے پیٹھ پھیری اور اعراض کیا، مال جمع کیا اور اس کو سینت سینت کر رکھا (۷۰: ۱۱۔۱۸)

متاعِ دنیا کے غرور نے مکہ کے سرداروں کو اپنے خالق و فاطر سے بیگانہ کر کے بڑائی کے خبط میں مبتلا کر دیا تھا اور وہ یہ سمجھنے لگ گئے تھے کہ جب اس دنیا کی ساری شوکت و عظمت ہم کو حاصل ہے تو یہ کس طرح ممکن ہے خدا ہمارے سوا کسی اور پر کتاب اتارتا۔ : (خدا کے یہ منکر دنیا میں شہرت، دولت اور اقتدار کو شرافت، عظمت اور کامیابی کا معیار بنائے ہوئے ہیں مگر اللہ کے نزدیک اس دنیا کی حیثیت پرِ کاہ کے برابر بھی نہیں ہے): اگر یہ بات نہ ہوتی کہ لوگ ایک ہی ڈگر پر چل پڑیں گے (اور دنیا سے محرومی کے باعث ان کی آزمائش کی مشکلات چند در چند بڑھ جائیں گی) تو جو لوگ خدائے رحمٰن کے منکر ہیں (اللہ فرماتے ہیں ہم اس بے وقعت دنیا کو کوڑے کرکٹ کی طرح ان کے آگے پھیلا دیتے کہ) ہم ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی کر دیتے اور زینے بھی چاندی کے، جن پر وہ چڑھتے۔ اور ان کے گھروں کے کواڑ اور ان کے تخت بھی چاندی کے جن پر وہ ٹیک لگا کر بیٹھتے، اور یہ چیزیں سونے کی بھی کر دیتے۔ اور یہ چیزیں تو بس دنیا کی زندگی کی متاع ہیں اور آخرت تیرے رب کے پاس متقیوں کے لیے ہے (۴۳: ۳۳۔۳۵)

دنیا کی زندگی میں انسان کو علم، عمل اور عقل تینوں کی آزمائش ہے۔ عقلی تقاضوں اور علمی مطالبات دونوں کا ظہور اعمال کی صورت میں ہوتا ہے۔ قیامت میں اعمال تولے جائیں گے: اس روز وزن صرف حق ہی کا ہوگا (باطل کا کوئی وزن نہ ہوگا) تو جن کے پلڑے بھاری ٹھہریں گے (یعنی حق کی مقدار ان کے ساتھ زیادہ ہوگی) وہی لوگ فلاح پانے والے بنیں گے اور جن کے پلڑے ہلکے ہوئے (وہ ناکام و نامراد ٹھہریں گے) یہ وہی لوگ ہوں گے جنھوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈالا اس وجہ سے کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے اور اپنے اوپر ظلم کرتے رہے (۷: ۸۔۹)

آخرت میں اعمال کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ عمل کرنے والا صاحبِ ایمان بھی ہو، ورنہ ایمان کے بغیر پورے اخلاص اور دیانت داری سے کیا ہوا عمل بھی قیامت میں بے وزن (اور نا قابلِ اعتنا) قرار پائے گا: (اے نبی ﷺ) انھیں کہیے کہ کیا ہم تمھیں بتائیں کہ اپنے اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارے میں کون لوگ ہیں؟ وہ لوگ جن کی (تمام بھاگ دوڑ اس دنیا کے حصول کے لیے ہے۔ اور اسے پا کر وہ سمجھتے ہیں کہ وہ بڑی کامیاب بازی کھیل رہے ہیں۔ آخرت میں جب اس سعی ء نامراد کی حقیقت واضح ہوگی تو انھیں معلوم ہوگا کہ ان کی) تمام سعی اس دنیا کے پیچھے اکارت گئی اور وہ گمان کرتے رہے کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی آیات اور اس کی ملاقات کا انکار کیا۔ پس ان کے اعمال اکارت گئے اور قیامت کے دن ہم ان کو ذرا بھی وزن نہ دیں گے (۱۸: ۱۰۳۔۱۰۵)

اعمال کو وزن دار بنانے کے لیے دوسری چیز یہ ہے کہ اس کی بنیاد صحیح علم پر ہو۔ اس سے مراد بندے کے خیر و شر اور اس کی عاقبت کے تقاضوں کا علم ہے۔ یہ علم بندہ مومن کو صرف اور صرف قرآن مجید سے حاصل ہو سکتا ہے۔ نبی ﷺ کا اسوہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تعامل اس کا بہترین ذریعہ ہیں۔ اور اس کی معتبر ترین تعبیر وہ ہے جو صحیح احادیث میں بیان ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کو ہدایت ہے کہ: اے ایمان والو، جانتے بوجھتے اللہ اور رسول سے بے وفائی اور اپنی امانتوں میں خیانت نہ کرو (۸: ۲۷) اللہ اور رسول سے بے وفائی کے جرم سے ہم اسی وقت بچ سکتے ہیں جب ہمیں یہ معلوم ہو کہ ان کے حقوق کیا ہیں؟

اللہ کا حق اس کا شکر گزار بندہ بن کر جینا ہے۔ شکر کی اصل حقیقت اللہ کا حق پہچاننا، اس کا اعتراف کرنا اور خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ اسے ادا کرنا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ان کے لائے ہوئے دین کو جاننا، ماننا اور اس پر دل و جان کے ساتھ عمل پیرا ہونا ہے۔ اسی حقیقت کی یاد دہانی کراتے ہوئے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ہدایت فرماتے

ہیں کہ: اے ایمان والو (ہر طرح کے حالات میں اپنے ذاتی مفادات ومصالح سے بے پروا ہو کر) اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو (یہ تمھارے ایمان کا لازمی تقاضا ہے) اور اپنے اعمال کو رائگاں نہ کرو (کیوں کہ اسی طرح کی بے ریا اور بے آمیز اطاعت ہی سے تمھارے اعمال آخرت میں باوزن اور نتیجہ خیز ہوں گے۔ اور اگر تم نے اللہ اور رسول کی اطاعت پر اپنی دنیوی مصلحتوں کو ترجیح دی تو یاد رکھو کہ تمھارے سارے اعمال برباد ہو جائیں گے خواہ وہ دین ہی کے اعمال کیوں نہ ہوں) (۴۷: ۳۳)

یہی وہ دین کا ضروری علم ہے جس کا حصول نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے لازم قرار دیا ہے۔ (طلب العلم فريضة علیٰ كل مسلم و مسلمة۔ الحديث)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قیامت کے روز وہ ایمان معتبر ہوگا جو اس کے بتائے ہوئے معیار پر پورا اترے گا۔ جو لوگ اپنی شرائط پر ایمان لاتے، اپنی مصلحتوں کی حد تک اس کے تقاضوں کو پورا کرتے اور اسے اپنے دنیوی مفادات کے تابع رکھتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ ان کی یہ دین داری قیامت کے روز ان کے منہ پر دے ماری جائے۔ پس جب وہ بڑا ہنگامہ برپا ہوگا (یعنی قیامت قائم ہوگی تو سب کچھ درہم برہم ہو جائے گا) اس دن انسان اپنے کیے کو یاد کرے گا (آج تو وہ آخرت سے بے پروا ہو کر دنیا ہی کے حصول کو اپنا ہدف بنائے ہوئے ہے۔ اور اسے اگر آخرت کے ہولناک انجام سے ڈرایا جاتا ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ اس کی پروا نہیں کرتا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اس کا مذاق اڑاتا ہے، لیکن اس دن اسے ہوش آئے گا اور پھر پچھتاوے، محرومی اور نامرادی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا) اور دوزخ ان لوگوں کے لیے بے نقاب کر دی جائے گی جن کو اس سے دوچار ہونا ہے (وہ بالکل تیار ہے۔ بس پردہ اٹھنے کی دیر ہے۔ اور پردہ اٹھتے ہی وہ ان کے سامنے ہوگی جسے وہ آنکھوں سے دیکھے بغیر ماننے کے لیے تیار نہیں تھے)۔ تو جس نے سرکشی کی اور آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو ترجیح دی (وہ آخرت کو نظر انداز کر کے اسی دنیا کے پجاری بن گئے اور اس سے الگ ہو کر کسی چیز کے بارے میں سوچنے کے لیے تیار ہی نہیں تھے) اس کا ٹھکانہ تو بس جہنم ہی بنے گی (ایک مرتبہ اس میں داخل ہو جانے کے بعد اسے پھر اس میں سے نکلنا نصیب نہ ہوگا)۔ اور وہ جو اپنے رب کے حضور پیشی سے ڈرا اور جس نے اپنے نفس کو خواہشات کی پیروی سے روکے رکھا تو اس کا ٹھکانہ لاریب جنت ہے (۷۹: ۳۴۔۴۱)

آخرت میں بامراد ہونے کے لیے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، ضروری ہے کہ عمل کی بنیاد صحیح علم پر ہو۔ صحیح علم قرآن و سنت سے حاصل ہوتا ہے۔ قرآن مجید ہی کے مطالعے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اسلام میں سبھی کو دین میں

تفقہ (پوری مہارت حاصل کرنے) کا مکلّف نہیں ٹھہرایا گیا: (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی سارے اہل ایمان کے لیے) ایسا ممکن نہ تھا کہ سبھی مسلمان (دین میں تفقہ حاصل کرنے کی غرض سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کرنے کے لیے) نکل کھڑے ہوتے تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ نکلتے تاکہ دین میں بصیرت حاصل کرتے اور اپنی قوم کے لوگوں کو بھی آگاہ کرتے جب کہ وہ ان کی طرف لوٹتے تاکہ وہ بھی احتیاط کرنے والے بنتے (۹:۱۲۲)۔ مستند روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ نے مجلس نبوی میں حاضری کے لیے باریاں مقرر کر رکھی تھیں۔ اس طرح باہمی تعاون سے اپنے روزمرّہ کے معمولات بھی جاری رکھتے اور مجلس نبوی کے فیوض و برکات سے بھی برابر فائدہ اٹھاتے رہتے۔ اس بحث سے اس حقیقت کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ صحیح علم ہر بندۂ مومن کی ناگزیر ضرورت ہے۔ بہترین صورت تو یہی ہے کہ ہر مسلمان براہِ راست دین کا صحیح علم حاصل کرے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو اس کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے وہ صحیح علم کے حامل اور دین میں تفقہ کے حامل علماء کو تلاش کر کے اپنی ضرورت پوری کرے۔ اس معاملے میں کوتاہی، غفلت، بے پروائی قیامت میں غلط اعمال کے برے انجام سے بچنے کے لے عذر نہ بن سکے گی۔ دین میں سب سے بڑا جرم اللہ (اور اس کے رسول) پر جھوٹ باندھنا (یعنی ایسی بات کو جس کا قرآن وسنت، اسوۂ حسنہ اور صحابہ کرام کے قول و فعل سے کوئی ثبوت نہ ملتا ہو اسے ایک دینی حقیقت کے طور پر پیش کرنا اور اس پر عمل کی بنا رکھنا) ہے۔: تو ان سے بڑھ کر ظالم (اور بدقسمت) کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھیں یا اس کی آیات کو جھٹلائیں۔ ان لوگوں کو ان کے نوشتہ کا حصہ پہنچے گا یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے فرشتے ان کو وفات دینے کے لیے آئیں گے تو ان کو پوچھیں گے کہ اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے تھے، وہ کہاں ہیں؟ وہ جواب دیں گے کہ وہ سب ہم سے کھوئے گئے اور یہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ لاریب وہ کفر میں رہے۔ حکم ہوگا جاؤ. پڑو دوزخ میں ان امتوں کے ساتھ جو تم سے پہلے جنوں اور انسانوں میں سے گزریں۔ جب جب کوئی امت داخل ہوگی اپنی ساتھی امت پر لعنت کرے گی، یہاں تک کہ جب سب اس میں اکٹھے ہو لیں گے تو ان کے پچھلے اگلوں کے بارے میں کہیں گے، اے ہمارے رب یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تو ان کو آگ کا دہرا عذاب دیجیو۔ ارشاد ہوگا، تم سب کے لے دہرا (عذاب) ہے، پر تم جانتے نہیں۔ اور ان کے اگلے اپنے پچھلوں سے کہیں گے، تم کو بھی ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوئی تم بھی اپنے کیے کی پاداش میں عذاب چکھو (۷:۳۷۔۳۹)

تیسری چیز عقل ہے جو انسان ہی کو عطا ہوئی ہے اور دنیا کے دوسرے جان داروں کے مقابلے میں اس کے لیے باعثِ شرف ہے۔ جانور وغیرہ جو بعض اوقات محیر العقول کارنامے سرانجام دیتے ہیں، وہ عقل کا شاخسانہ نہیں بلکہ ان

کی جبلتوں کی تربیت و پرداخت کی کارفرمائیاں ہوتی ہیں۔

عقل انسان کا سب سے بڑا اشرف ہے۔ اپنی اسی صلاحیت کی بنیاد پر وہ دین کا مخاطب قرار پاتا ہے۔ یہ دین کا مسلمہ ہے کہ بچے پر، سوئے ہوئے شخص پر اور پاگل آدمی پر دین کے احکام لاگو نہیں ہوتے۔ غور کیجیے تو اس کی وجہ صرف اور صرف عقل ہے۔

بچے کی عقل (بلوغت سے پہلے) چونکہ ناقص ہوتی ہے اس لیے وہ دین کے احکام (مثلاً نماز وغیرہ) کی پابندی کا مکلّف نہیں ہوتا۔ سویا ہوا بالغ شخص اگرچہ صاحبِ عقل ہوتا ہے مگر نیند میں ہونے کی وجہ سے چونکہ وقتی طور پر اس کی عقل معطل ہو جاتی ہے، اس لیے حالتِ نیند میں اس سے مثال کے طور پر کلمۂ کفر بھی صادر ہو جائے تو اس کے ایمان پر کوئی حرف نہیں آتا۔ اسی طرح مثلاً اگر کوئی شخص رات کو اخلاصِ نیت کے ساتھ یہ ارادہ کر کے سویا کہ وہ فجر کی نماز باجماعت ادا کرے گا لیکن، کسی وجہ سے اگر اسے جاگ نہ آئی، وہ سویا رہا اور سورج نکل آیا تو اہلِ علم فقہا کے نزدیک اس وقت وہ فجر کی جو نماز پڑھے گا وہ (قضا نہیں) ادا تصور ہو گی۔

پاگل شخص اگر دین کے مطالبات کو پورا نہیں کرتا تو شرعی طور پر اس پر بھی کوئی گرفت نہیں ہو سکتی۔ اس کی وجہ بھی سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ وہ انسانیت کے اصل شرف (یعنی عقل) سے محروم ہے۔ انسانی ذرائع علم میں سے عقل انسان کے پاس ایک جانب سب سے بڑا ذریعۂ علم ہے اور دوسری طرف یہ اسے میسر دوسرے ذرائع علم کو بامعنی بناتا ہے۔

انسان کو عقل کے علاوہ حواس، تجربہ، تاریخ اور وجدان کی صورت میں دوسرے ذرائع علم بھی عطا ہوئے ہیں۔ لیکن غور کیجیے تو ان سب کو قابلِ اعتبار اور بامعنی بنانے والی چیز صرف اور صرف عقل ہے۔ مثلاً آپ کسی سے گفتگو کر رہے ہیں۔ آپ کو اگر معلوم ہو جائے کہ آپ کے مخاطب کی سماعت کے پیچھے اس کا حصۂ عقل موجود نہیں ہے تو آپ فوراً اپنی گفتگو بند کر دیں گے اور ایسا شخص پاگل (یا احمق) قرار پائے گا۔ اسی طرح آپ کے مخاطب کو اگر معلوم ہو جائے کہ آپ جو کچھ ارشاد فرما رہے ہیں، آپ کے نطق کے پیچھے اس کا حصۂ عقل موجود نہیں ہے تو آپ کی بظاہر انتہائی بامعنی گفتگو بھی لاحاصل قرار پائے گی۔ یہی حال دوسرے حواسِ خمسہ کا ہے۔

تجربہ اور تاریخ (جو کہ تجربے ہی کا امتداد ہے) کو بامعنی بنانے والی چیز بھی عقل ہی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ تجربات سیانوں کی عقل کا نچوڑ اور تاریخ عاقل اہلِ علم محققین کی بے پناہ کاوشوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ان میں بے عقلی کا شائبہ بھی موجود نہیں ہوتا۔

وہ علم جو وجدانی طور پر ہمیں حاصل ہوتا ہے' اس کا اعتبار بھی عقل ہی سے قائم ہوتا ہے۔ شرفِ انسانی کے اس سب سے بڑے مظہر یعنی عقل سے کام نہ لینا اور یا اسے معطل کر دینا انسان کو انسان کے درجے سے گرا کر ڈھور ڈنگروں کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے' اسی لیے: اللہ کے نزدیک بدترین جانور یہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے (اور جو لوگ اپنے آپ کو سننے اور سمجھنے کے اوصاف سے محروم کر لیتے ہیں تو پھر وہ محض دو ٹانگوں پر چلنے والے بدترین جانور بن کر رہ جاتے ہیں) (۲۲:۸) اور شرفِ عقل سے محروم ہو جانے کے بعد ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ: ان کے دل (ہوتے ہیں لیکن وہ سمجھتے نہیں' ان کی آنکھیں (ہوتی) ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں (اور) ان کے کان (ہوتے) ہیں لیکن وہ سنتے نہیں۔ یہ چوپایوں کی مانند ہیں (کیوں کہ چوپایوں کی جستجو بھی پیٹ اور تن کے مطلوبات تک ہی محدود ہوتی ہے' اسی طرح اس کی دوڑ دھوپ بھی اپنی مادی ضروریات اور خواہشات تک محدود ہوتی ہے) بلکہ اس سے بھی زیادہ گمراہ ہیں (کیوں کہ چوپائے بہرحال اپنی جبلتوں کی تمام صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس میں وہ کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے' لیکن انسان کی فطرت کے اندر قدرت نے جو اعلیٰ صلاحیتیں رکھی ہیں ان سے نہ صرف یہ کہ وہ حقیقی فائدہ نہیں اٹھاتا بلکہ بسا اوقات وہ انھیں معطل کر کے بیل اور گدھے جیسی حرکتیں کرنے لگتا ہے) یہی لوگ ہیں جو بالکل بے خبر ہیں (کیوں کہ ایسی بے خبری کا تو چوپایوں میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا) (۷:۱۷۹)

(باقی)